(10)

اگر تم صحیح معنوں میں ذکرِ الٰہی کرو گے تو یقیناً اس کے نتیجہ میں کفر کو شکست ہو گی اور اسلام کو غلبہ حاصل ہوتا چلا جائے گا

(فرمودہ 11 اپریل 1958ء بمقام ربوہ)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت قرآنیہ کی تلاوت فرمائی: "یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُوا اللّٰهَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ"۔ 1

اس کے بعد فرمایا:

"رمضان کے دن خاص طور پر ذکرِ الٰہی کے دن ہوتے ہیں لیکن دنیا میں عام طور پر جب ذکرِ الٰہی کرنے والا ذکر کرتا ہے تو اُسے پتا نہیں لگتا کہ میرا ذکر صحیح تھا یا نہیں۔ بلکہ بعض اوقات تو انسان یہ بھی نہیں سمجھتا کہ میں غلطی کر رہا ہوں۔ وہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں حالانکہ وہ نماز نہیں پڑھ رہا ہوتا۔ وہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ میں بڑا ذکر کر رہا ہوں حالانکہ وہ ذکر نہیں کر رہا ہوتا۔ اِس آیت میں

اللہ تعالیٰ نے ایک گُر بتایا ہے جس سے پتا لگ سکتا ہے کہ انسان سچا ذکر کر رہا ہے یا نہیں۔ فرماتا ہے سچے ذکر کی علامت یہ ہے کہ لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تم جب بھی ذکرِ کثیر کرو گے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ دشمن کے مقابلہ میں تمہیں فتح ہوگی اور اُس کو ذلت اور شکست نصیب ہوگی کیونکہ اس سے پہلے اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً میں دشمن کا ہی ذکر کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ جب دشمن کے مقابلہ میں تم کھڑے ہو تو استقلال کے ساتھ اُس کا مقابلہ کرو۔

اِس وقت ہمارا سب سے بڑا دشمن عیسائیت ہے جس کے ساتھ دہریت بھی مل گئی ہے اور احمدی جماعت کے سوا کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر رہا۔ آجکل تلوار کی لڑائی نہیں بلکہ آجکل مذہب میں دجالیّت اور وسوسہ اندازی کی جاتی ہے اور تبلیغی ہتھیاروں سے ہمیں اس کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ پس فرماتا ہے اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً اے مومنو! جب تم کسی جماعت کے مقابلہ میں آ جاؤ جیسا کہ ہم اِس وقت ایک جماعت کے مقابلہ میں آئے ہوئے ہیں یعنی عیسائیت اور دہریت کے مقابلہ میں۔ تو فَاثْبُتُوْا تم ثابت قدم رہو۔ یہ نہ ہو کہ کچھ مدت کام کرنے کے بعد تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اور اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو تا کہ تمہیں کامیابی حاصل ہو۔

پھر فرماتا ہے وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ 2 تم تنازعہ مت کرو ورنہ تمہاری طاقت کمزور ہو جائے گی۔ دنیا میں بعض لوگ تنازعہ تو کرتے ہیں مگر کہتے ہیں کہ ہم تنازعہ نہیں کرتے بلکہ ہم اپنا حق لے رہے ہیں۔ جیسے قرآن کریم میں آتا ہے کہ جب منافقوں کو یہ کہا جائے کہ تم مومنوں کی طرح ایمان کیوں نہیں لاتے؟ تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ کیا ہم بھی سفہاء بن جائیں؟ یہ تو سفہاء ہیں جو ایمان لے آئے ہیں۔ 3

اِسی طرح بعض دفعہ جب تنازعہ کرنے والے کو کہا جاتا ہے کہ تم تنازعہ نہ کرو تو کہتا ہے میں تو اپنا حق مانگتا ہوں، میں تنازعہ تو نہیں کرتا۔ فرماتا ہے کہ ہم تمہیں ایک ایسا ثبوت دیتے ہیں جس سے تمہیں پتا لگ جائے گا کہ کوئی حق مانگ رہا ہے یا نہیں۔ فرماتا ہے تنازعہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دشمن کے مقابلہ میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے اور قوم کا رعب جاتا رہتا ہے۔ پس اگر تمہارے اختلاف کے نتیجہ میں تمہارے اندر بزدلی پیدا ہو اور تم دشمن کے مقابلہ میں کوتاہی کرنے لگ جاؤ تو سمجھ لو کہ تم اپنا حق نہیں

مانگ رہے بلکہ تنازعہ کر رہے ہو۔

دیکھو! جب خلافت کے متعلق جھگڑا پیدا ہوا تو مولوی محمد علی صاحب نے یہی کہا کہ ہم تو اپنا حق پیش کرتے ہیں مگر پھر خود ہی انہوں نے لکھا کہ اگر خلافت کا سوال میاں صاحب نہ اُٹھاتے تو ہم ساری دنیا پر غالب آ جاتے۔ گویا انہوں نے تسلیم کر لیا کہ اس کے نتیجہ میں اُن کی طاقت کمزور ہوگئی اور یہی تنازعہ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ فرماتا ہے فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ تنازعہ کے نتیجہ میں بزدلی پیدا ہو جاتی ہے اور دنیا میں جو رُعب حاصل ہوتا ہے وہ جاتا رہتا ہے۔ پس اگر تمہارے اختلاف کے نتیجہ میں رُعب بڑھ جائے تو پھر تو سمجھ لو کہ تم نے کوئی اختلاف نہیں کیا۔ لیکن اگر رُعب کم ہو جائے تو سمجھ لو کہ تم نے اختلاف کیا تھا۔ اور یہ جو تم کہہ رہے ہو کہ ہم اختلاف نہیں کر رہے بلکہ حق مانگ رہے ہیں جھوٹ ہے۔ دیکھو! سچے مومن کی علامت یہی ہوتی ہے کہ وہ دشمن کے مقابلہ میں اپنے اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر پوری قوت کے ساتھ اُس کے مقابلہ کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے۔

جب حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ کے خلاف لڑ رہے تھے تو انہیں پتا لگا کہ روم کا بادشاہ حملہ کر کے عرب میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ چونکہ مسلمانوں نے اُس کے لشکر کو جنگ میں شکست دی تھی اس لیے اُس نے ان کی باہمی خانہ جنگی کو دیکھتے ہوئے چاہا کہ اس موقع سے فائدہ اُٹھائے۔ تاریخوں میں آتا ہے کہ جب اُس نے اپنے اِس ارادہ کا اظہار کیا تو اُس کے دربار کا ایک پادری کھڑا ہو گیا اور اُس نے کہا حضور! اِن مسلمانوں کے اختلاف کی طرف نہ جائیے۔ یہ آپ کے حملہ کی خبر سن کر اکٹھے ہو جائیں گے۔ پھر کہنے لگا اچھا! میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں۔ کچھ کُتے منگوایئے اور انہیں چند دن بھوکا رکھ کر اُن کے آگے گوشت ڈالیے۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ جب ان کے آگے گوشت ڈالا گیا تو وہ آپس میں لڑنے لگ گئے۔ اِس پر پادری نے کہا اب ایک شیر ان پر چھوڑ دیجیے۔ جب شیر آیا تو وہ کُتّے اپنی لڑائی چھوڑ کر اُس پر جھپٹ پڑے اور اُسے بھگا دیا۔ وہ پادری چونکہ اسلام کا دشمن تھا اس لیے اُس نے مسلمانوں کو کُتوں سے تشبیہہ دی مگر بہرحال اُس نے کہا کہ آپ ان کے اختلاف کی طرف نہ جائیں۔ بیشک یہ آپس میں لڑ رہے ہیں لیکن جب ان پر کوئی باہر سے حملہ آور ہوا تو وہ سب متحد ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب حضرت معاویہؓ کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے اُسے کہلا بھیجا کہ گو میں حضرت علیؓ سے لڑ رہا ہوں لیکن اگر تم حملہ آور ہوئے تو سب سے پہلا جرنیل جو علیؓ کی طرف

سے تلوار لے کر تمہارے مقابلہ میں نکلے گا وہ میں ہوں گا۔4 نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ڈر گیا اور اس نے حملہ کا ارادہ ترک کر دیا۔

تو نزاع اور اختلاف کی یہی علامت ہوا کرتی ہے کہ اس کے نتیجہ میں قوم میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے اور اُس کا رُعب جاتا رہتا ہے۔ لیکن اگر نزاع حقیقی نہ ہو بلکہ واقع میں کوئی انسان اپنا حق لینے کے لیے جھگڑ رہا ہو تو اس کے نتیجہ میں بزدلی پیدا نہیں ہوتی اور نہ قوم کا رُعب دنیا سے مٹتا ہے بلکہ ایسا انسان اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ جس کی طرف لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ کے الفاظ اشارہ کر رہے ہیں۔ ایسے شخص کو یہ کبھی نہیں کہنا پڑتا کہ اگر یہ خلیفہ ہمارا مقابلہ نہ کرتا تو ہم ساری دنیا پر غالب آ جاتے۔ گویا دوسرے الفاظ میں مولوی محمد علی صاحب نے اپنے متعلق اقرار کر لیا کہ وہ غالب نہیں آئے۔ اس کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ہم کمزور ہونے کے باوجود کامیاب ہو رہے ہیں اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں ہمارے ذریعہ سے اسلام کا نام پھیل رہا ہے۔

پس یہ رمضان کے دن ذکرِ الٰہی کے دن ہیں۔ اِن دنوں سے فائدہ اُٹھاؤ اور سمجھ لو کہ اگر ذکرِ الٰہی کے نتیجہ میں تمہیں یہ دکھائی دے کہ اسلام کو غلبہ حاصل ہو رہا ہے تو تمہارا ذکر صحیح تھا کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم ذکرِ کثیر کرو گے تو تم ضرور کامیاب ہو گے۔ لیکن اگر تمہاری کوشش اور ذکرِ الٰہی کے باوجود اور تمہارے روزوں کے باوجود جن کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ قریب آ جاتا ہے۔5 یہ نتیجہ نکلے کہ تمہیں کامیابی حاصل نہ ہو اور دشمن بڑھتا چلا جائے تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ تمہارے روزے بھی جھوٹے تھے، تمہارا ذکر بھی جھوٹا تھا اور تمہارا اتحاد بھی جھوٹا تھا۔ ورنہ اگر تقوٰی کے ساتھ روزہ رکھا جائے اور صحیح طور پر ذکرِ الٰہی کیا جائے اور کوشش یہ کی جائے کہ ہمارے اندر لڑائی جھگڑا نہ ہو تو یقیناً اس کے نتیجہ میں بہادری اور جرأت پیدا ہوتی ہے اور ایک ایک ہزار دشمن کے مقابلہ میں ایک ایک مسلمان نکل کھڑا ہوتا ہے۔ دیکھ لو مسلمانوں کے مختلف ادوار میں ایسے ایسے نوجوان اسلام کی خدمت کے لیے نکلے ہیں جن کو آجکل ہم کھیل کُود کے زمانہ والے کہتے ہیں لیکن انہوں نے بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کیں۔

جب محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا تو اُس کی عمر صرف اٹھارہ سال کی تھی اور پھر وہ اپنے ساتھ جو لشکر لایا وہ جلدی میں بھرتی کیا ہوا تھا کیونکہ اُس وقت مسلمان سپین اور سسلی وغیرہ میں بھی

لڑ رہے تھے اور خزانہ بالکل خالی تھا۔ سب سے پہلے اُس کی اپنی ماں اور بیوی نے اپنے زیور بیچ کر سواریاں مہیا کیں اور پھر بادشاہ نے اپنے کچھ زیورات بیچ دیئے۔ ولید بن عبدالملک ایک بہت نیک بادشاہ تھا۔ اُس نے بڑی قربانی کی اور محمد بن قاسم کو سندھ کی طرف بھجوا دیا اور اُس نے دو ماہ کے اندر اندر ملتان تک کا سارا علاقہ فتح کر لیا۔ لیکن اس کے بعد جیسا کہ پہلے زمانہ میں ایک یزید پیدا ہوا تھا مسلمانوں کی بدقسمتی سے سلیمان بن عبدالملک ایک خبیث بادشاہ تخت نشین ہوا اور اُس نے اپنی ایک ذاتی عداوت کی بناء پر محمد بن قاسم کو میدانِ جنگ سے بُلا لیا۔ جب اس نے محمد بن قاسم کو واپس بلایا تو وہ نَومسلم جو محمد بن قاسم کی وجہ سے اسلام لائے تھے اکٹھے ہو گئے اور انہوں نے کہا وہ تمہارا خلیفہ ہوگا ہمارا نہیں۔ ہمارا تو بادشاہ ہے اور ہم لاکھوں آدمی لے کر اُس پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اس لیے جب تک وہاں سے یہ اطلاع نہ آ جائے کہ بادشاہ کے ارادے بدنہیں ہیں آپ وہاں نہ جائیں۔ لیکن محمد بن قاسم جو ایک جوشیلا نوجوان تھا اُس نے کہا اے میرے دوستو! تم مجھے میرے ایمان سے نہ ورغلاؤ۔ ہمارا ایمان یہ ہے کہ خلیفہ کی اطاعت کی جائے اور تم کہتے ہو کہ وہاں نہ جاؤ بلکہ یہ بھی کہتے ہو کہ ہم لشکر لے کر اُس پر حملہ کر دیں گے۔ تمہارے لشکر چاہے مصر تک بھی فتح کر کے تیونس میں داخل ہو جائیں میں خدا تعالیٰ کے سامنے کیا جواب دوں گا؟ تمہارے لشکر مجھے دنیا کا بادشاہ بنا سکتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کے سامنے میری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ جس کو ہم نے خلیفہ تسلیم کر لیا اور بادشاہ مان لیا وہ لاکھ نالائق سہی مگر ہم نے تو اُسے مان لیا ہے۔ اُس کی لیاقت یا نالائقی اُس کی ذاتی چیز ہے۔ بہرحال جب وہ تسلیم شدہ قانون کے ماتحت ہمارا حاکم بن گیا تو میں اگر اسے چھوڑوں گا تو تم قیامت کے دن مجھے نہیں بچا سکتے۔ تمہارے پاس بیشک سات آٹھ لاکھ کا لشکر ہے اور کیا مرد اور کیا عورتیں اور کیا بچے سارے کے سارے اِسی بات پر تُلے ہوئے ہیں کہ ہم شام پر جا کر حملہ کریں گے اور بادشاہ کو سزا دیں گے جس نے تمہارے جیسے آدمی کو جس نے ہم تک اسلام پہنچایا اور اسلام کو سندھ میں لا کر داخل کیا عین فتح کے وقت واپس بلا لیا لیکن میں اُس کا حکم ماننے سے انکار نہیں کر سکتا۔ جب وہ واپس چلا تو اُس وقت سندھیوں کی زبان سے یہ الفاظ نکلے جو اپنے اندر ایک پیشگوئی کا رنگ رکھتے تھے کہ جس وقت سندھ میں اسلام کا سورج طلوع ہونے لگا تھا اُسی وقت اُس کے غروب ہونے کا وقت آ گیا۔ چنانچہ جب محمد بن قاسم وہاں پہنچا تو سلیمان بن عبدالملک نے اپنے ایک درباری کو حکم دیا کہ وہ محمد بن قاسم کو

قتل کر دے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز ایک بڑے نیک آدمی تھے۔ انہوں نے سلیمان بن عبدالملک کو پوچھا کیا تم نے واقعی حکم دے دیا ہے کہ محمد بن قاسم کو ماردو؟ اُس نے کہا ہاں! میں یہ حکم بھیج چکا ہوں۔ انہوں نے کہا اِس حکم کو منسوخ کر دو اور دوبارہ حکم بھیجو کہ اس کو نہ مارا جائے۔ اُس نے کہا میں لکھ تو دیتا ہوں مگر یہ پیغام وہاں پہنچے گا کیسے؟ اُن کا ایک دوست تھا اُس نے کہا جس طرح ہوگا میں یہ پیغام وہاں پہنچاؤں گا۔ میں سندھ سے بھاگا ہوا آیا ہوں اور یہاں پہنچا ہوں اور یہاں پہنچنے سے پہلے مدینہ گیا تھا۔ وہاں سے دمشق آیا ہوں۔ رستہ میں مَیں نے کہیں آرام نہیں کیا۔ سوائے اِس کے کہ کہیں سواری پر ہی بیٹھے بیٹھے میں سو گیا ہوں اور بے حد تھکا ہوا ہوں لیکن میں پھر بھی جاؤں گا اور جا کر یہ حکم اُس درباری کو پہنچاؤں گا۔ لیکن جب وہ وہاں پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ ایک جنازہ پڑا ہوا ہے۔ جب اُس نے دریافت کیا کہ یہ کس کا جنازہ ہے؟ تو وہی فقرہ جو اللہ تعالیٰ نے پیشگوئی کے طور پر سندھیوں کے منہ سے نکلوایا تھا کہ اسلام کا سورج سندھ میں طلوع ہوتے ہی غروب ہو گیا وہی اُن لوگوں کی زبان سے نکلا جو جنازہ کے پاس اکٹھے تھے اور انہوں نے کہا کہ اسلامی فتوحات کا سورج عین ظہر کے وقت غروب ہو گیا۔ یہ محمد بن قاسم کی لاش پڑی ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں ہر زمانہ میں ایسے آدمی پیدا کرتا رہا ہے جنہوں نے اسلام کے لیے کسی قسم کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا اور آئندہ بھی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اِس سلسلہ کو جاری رکھے گا۔

جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام فوت ہوئے تو ایک شخص نے جو بہت مخلص احمدی تھے اُس وقت یہ شبہ ظاہر کیا کہ ابھی تو بہت سی پیشگوئیاں پوری نہیں ہوئیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام وفات پا گئے ہیں۔ جب مجھے اِس بات کا علم ہوا تو میں نے آپ کے سرہانے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہا کہ یا اللہ! اگر ساری دنیا بھی انہیں چھوڑ دے تو میں انہیں نہیں چھوڑوں گا اور میں اُس وقت تک دم نہیں لوں گا جب تک کہ ساری دنیا کو احمدیت میں داخل نہ کر لوں۔ یہ الفاظ اگرچہ اُس وقت محمد بن قاسم کی عمر کے ایک بچہ نے کہے تھے (میری عمر اُس وقت اٹھارہ اُنیس سال کی تھی) لیکن پھر بھی خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے اس عہد کو عملاً پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اُس وقت سے اِس وقت تک ہزاروں نہیں لاکھوں آدمی میرے ذریعہ سے احمدیت میں مضبوط ہوئے اور پھر خدا تعالیٰ کے فضل سے ہماری جماعت روز بروز بڑھتی چلی گئی اور اب تو کئی غیر ممالک میں بھی ہماری جماعتیں قائم

ہو چکی ہیں۔ ضرورت اِس بات کی ہے کہ یہ سلسلہ جاری رہے اور اسلام کی روشنی ساری دنیا میں پہنچتی رہے۔ فرداً فرداً تو ایسی قربانی کرنے والے لوگ ہماری جماعت میں اب بھی پائے جاتے ہیں۔

چنانچہ یہاں ایک مخلص عورت رہتی تھی وہ بیچاری بیمار ہوگئی تو باہر اپنے رشتہ داروں کے پاس چلی گئی اور وہاں جا کر فوت ہوگئی۔ اُس کے غیراحمدی رشتہ داروں نے اُسے وہیں غیراحمدیوں کے قبرستان میں دفن کر دیا۔ لیکن ایک احمدی کو پتا لگا تو سارے گاؤں کی مخالفت کے باوجود اُس نے قبر کھدوائی اور اُس کی لاش اپنے خرچ پر یہاں پہنچادی۔ یہ بھی ایسی ہی جرأت کا کام تھا جیسے محمد بن قاسم نے کیا۔ اُس نے یہ پسند نہ کیا کہ ایک احمدی عورت جو ربوہ میں دفن ہونا چاہتی تھی وہ کسی اَور جگہ دفن ہو۔

اِسی طرح پچھلے سال افریقہ سے ایک دوست کی لاش آئی تھی وہ پرانے احمدی تھے جو وہاں فوت ہوگئے غیراحمدیوں نے انہیں اپنے مقبرہ میں دفن نہ ہونے دیا۔ مخالفت بہت تھی۔ آخر گورنمنٹ نے کچھ زمین دی اور وہاں انہیں دفن کروایا۔ مگر اُن کی بیوی نے کہا کہ میں انہیں یہاں دفن نہیں رہنے دوں گی بلکہ ربوہ پہنچاؤں گی۔ چنانچہ وہ اپنے خاوند کی لاش وہاں سے ربوہ لے آئی اور یہاں دفن کیا۔ اِس سے پتا لگتا ہے کہ ہمارے اندر بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسے جوشیلے لوگ موجود ہیں جو نہ روپیہ کی پروا کرتے ہیں، نہ سفر کی پروا کرتے ہیں، نہ جان کی پروا کرتے ہیں، نہ عزت کی پروا کرتے ہیں، نہ آبرو کی پروا کرتے ہیں بلکہ ہر طرح دین کی خدمت کرنے اور اس کا جھنڈا اونچا رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ لوگ جب تک رہیں گے اور خدا کرے کہ قیامت تک رہیں احمدیت کا سر اونچا رکھیں گے۔ اور ان کے ہوتے ہوئے کوئی شخص احمدیت کی طرف بُری نگاہ سے نہیں دیکھ سکے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ زمانہ آ جائے گا جب دنیا میں چاروں طرف احمدیت ہی احمدیت ہوگی۔ بیشک وہ زمانہ بظاہر دور نظر آتا ہے لیکن کئی کام ہوتے ہیں جو انسان کی نظر میں تو عجیب ہوتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کی نظر میں عجیب نہیں ہوتے۔ خدا تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ دنیا خواہ کتنی مخالفت کرے اور خواہ کتنی روکیں پیدا کرے۔ وہ ہر روک کے مقابلہ میں کسی بظاہر بچہ نظر آنے والے وجود کو کھڑا کر دے گا اور خدا تعالیٰ کے فرشتے آسمان سے اُتر کر اس کی مدد کریں گے اور وہ غالب آ جائے گا۔ اس کی نالائقی اور اس کی جہالت اور اس کی ناتجربہ کاری اور اس کا بچہ ہونا سب غائب ہو جائے گا اور اس کا ایمان اور اس کی غیرت غالب آ جائیں گے۔ نہ اس کی ناتجربہ کاری روک بنے گی نہ اس کا جاہل ہونا روک بنے گا اور نہ

اس کا بچہ ہونا روک بنے گا بلکہ اُس کا ایمان اور اس کی غیرت اِن سب چیزوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جائے گی اور فتح کا جھنڈا اُس کے ہاتھ میں دے دے گی۔ پس اپنے ایمانوں کو بڑھاؤ۔ اپنے تفرقے دور کرو اور ذکرِ الٰہی کی کثرت کرو۔

ذکرِ الٰہی کی کثرت کا ایک طریق قرآن کریم کا پڑھنا بھی ہے۔ مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں ایک دفعہ ایک دوست حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مجلس سے آئے۔ مجھے شبہ پڑتا ہے کہ وہ مولوی فضل دین صاحب تھے یا ممکن ہے کوئی اَور دوست ہوں۔ اور کہنے لگے حضرت صاحب نے فرمایا ہے کہ میں نے کوئی اڑھائی ہزار دفعہ قرآن کریم پڑھا ہے یہ کس طرح ہوسکتا ہے؟ میں نے کہا ہو تو سکتا ہے۔ جس کے دل میں عشق ہو وہ اِتنی دفعہ قرآن کریم پڑھ سکتا ہے۔ کہنے لگے مجھے تو سمجھ نہیں آتا۔ میں نے کہا مجھے تو یہ عجیب معلوم نہیں ہوتا۔ اگر انسان کے اندر باقاعدگی پائی جاتی ہو اور اُسے چالیس پچاس سال کی زندگی مل جائے تو وہ ہزاروں دفعہ قرآن کریم پڑھ سکتا ہے۔ غالباً حضرت صاحب نے احتیاطاً ایسا کہہ دیا ہوگا تا کہ جھوٹ نہ بن جائے ورنہ اگر ایک شخص کو بیس سال بھی کام کرنے کا موقع ملے تو بیس سال کے معنے یہ ہیں کہ تہتّر سو دن ہوئے۔ اور ایک دن میں انسان دس پندرہ بلکہ بیس سیپارے بھی اگر پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص پندرہ سیپارے روزانہ پڑھے تو وہ بیس سال میں تین ہزار چھ سو پچاس دفعہ قرآن کریم پڑھ سکتا ہے اور حضرت صاحب نے تو اڑھائی ہزار دفعہ کہا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بڑی احتیاط سے کام لیا ہے ورنہ حضرت صاحب نے تو اِس سے بھی زیادہ پڑھا ہوگا یا ممکن ہے حضرت صاحب نے پڑھنے سے مراد غور سے پڑھنا لیا ہو۔

قرآن کریم کے ذکر میں مجھے یاد آیا کہ ''تفسیر صغیر'' ہم نے بڑی محنت سے لکھی تھی لیکن کئی باتیں اُس میں پھر بھی رہ گئی ہیں۔ مثلاً ایک بات تو یہ ہے کہ ضمیمہ میں جتنے نوٹ ہیں وہ سب سورۃ حج کے بعد کے ہیں حالانکہ پہلے بھی اور کئی نوٹوں کی ضرورت تھی۔ میں نے تلاوت کے وقت کئی آیات نکلوا کر دیکھی ہیں جن پر کوئی نوٹ نہیں آیا۔ مثلاً سورۃ کہف میں آتا ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السلام اپنے معراج میں خدا تعالیٰ کے ایک برگزیدہ بندہ کے ساتھ جب ایک گاؤں میں گئے تو انہوں نے کھانا مانگا مگر لوگوں نے انہیں اپنا مہمان بنانے سے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے اُس بستی میں ایک ایسی دیوار پائی

جو گرنے کو تھی ۔ اِس پر اُس برگزیدہ بندے نے اُسے درست کر دیا۔ اِس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ 6 اِس آیت کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ ان دونوں نے اس بستی میں ایک ایسی دیوار پائی جو گرنے کا ارادہ کر رہی تھی لیکن ہم نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ انہوں نے اُس بستی میں ایک ایسی دیوار پائی جو گرنے کو تھی کیونکہ عربی زبان میں اَرَادَ کا لفظ صرف دماغی ارادہ کے لیے استعمال نہیں ہوتا بلکہ ایسی چیز کے لیے بھی اس لفظ کا استعمال کر لیا جاتا ہے جس پر قریب زمانہ میں وہ حالت آنے والی ہو۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ دوسرا شخص ہمارے اِس ترجمہ کو کب تسلیم کر سکتا ہے۔ اس کے لیے تو ضرورت تھی کہ جہاں جہاں پہلی کتابوں سے حوالے مل سکتے وہاں وہ حوالے دے دیئے جاتے اور اس کے متعلق ایک اعلیٰ درجہ کا حوالہ موجود تھا۔ چنانچہ ابو منصور ثعلبی جو لغت کے مشہور امام ہیں انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام فقہ اللّغہ ہے۔ اس میں عربی زبان کی باریکیاں بیان کی گئی ہیں۔ اس کتاب میں مصنف نے خاص طور پر يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ پر بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ ایک دفعہ ہم کچھ لوگ خاندانِ عباسیہ کے ایک وزیر ابوالعباس احمد بن حسین کے دربار میں بیٹھے اُس کی آمد کا انتظار کر رہے تھے کہ ابوخراس نے جو ایک مشہور ادیب تھا اور دل سے اسلام کا منکر تھا اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ کیا کسی عرب نے کسی عقل نہ رکھنے والی چیز کے بارہ میں بھی کبھی کہا ہے کہ اُس نے ارادہ کیا؟ میں نے کہا عرب بعض دفعہ ایک غیر ذی روح چیز کے متعلق کہہ دیتے ہیں کہ اس نے یوں کہا جیسے مثال مشہور ہے کہ

اِمْتَلَأَ الْحَوْضُ فَقَالَ قَطْنِىْ 7

یعنی حوض بھر گیا اور اُس نے کہا بس بس۔ حالانکہ حوض بولتا نہیں۔ اُس نے کہا میں قول کا ذکر نہیں کرتا۔ تم یہ بتاؤ کہ کیا عقل نہ رکھنے والی اشیاء کی نسبت بھی کبھی ارادہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے؟ اُس کی غرض یہ تھی کہ آیت يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ پر اعتراض کرے کہ کیا کبھی دیوار بھی گرنے کا ارادہ کیا کرتی ہے؟ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے میری مدد کی اور عرب کے شاعر الراعی کا یہ شعر میرے ذہن میں آ گیا جو میں نے اُس کے سامنے پڑھا

فِىْ مَهْمَهٍ فُلِقَتْ بِهٖ هَامَاتُهَا فَلْقَ الْفُؤُوْسِ اِذَا اَرَدْنَ نُصُوْلًا 8

یعنی ایک جنگل میں اُس قوم کی کھوپڑیاں اِس طرح توڑی گئیں جس طرح کلہاڑا جب چلنے کا

ارادہ کرتا ہے تو (لکڑیوں کو) کاٹتا چلا جاتا ہے۔ میں نے کہا اِس جگہ کلہاڑے کی طرف چلنے کا ارادہ منسوب کیا گیا ہے۔ کیا اس میں ارادہ ہوتا ہے؟ یہ شعر پڑھنا تھا کہ اُس کا منہ بند ہو گیا اور وہ سخت شرمندہ ہوا۔

اِسی طرح وہ ابو محمد یزیدی کا واقعہ لکھتے ہیں کہ میں اور مشہور نحوی کسائی، عباس بن حسن کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں اُن کا ایک نوکر آیا اور کہنے لگا کہ حضور! میں فلاں شخص کے پاس سے آیا ہوں۔ هُوَ يُرِيْدُ اَنْ يَمُوْتَ کہ وہ تو مرنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ اِس پر ہم سب ہنس پڑے کہ کیا کوئی مرنے کا بھی ارادہ کیا کرتا ہے؟ عباس بن حسن نے کہا تم کس بات پر ہنسے ہو؟ کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نہیں فرمایا کہ فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ۔ اِس پر ہم سمجھ گئے کہ ''اَرَادَ'' کا لفظ کبھی قُربِ وقوع پر دلالت کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے9۔ لیکن میں نے جب اس آیت کو دیکھا تو اس پر کوئی نوٹ درج نہیں تھا۔ اگر وہاں اِس آیت کے نیچے فقہ اللّغۃ کا حوالہ دے دیا جاتا تو اعتراض کرنے والے کا منہ بند ہو جاتا اور وہ سمجھ لیتا کہ جو ترجمہ ہم نے کیا ہے وہی درست ہے اور علمائے لغت نے اس کی تصدیق کی ہے۔

اِسی طرح میں نے چار پانچ اَور آیات نکلوائیں تو اُن میں سے بھی کسی پر کوئی نوٹ نہ تھا حالانکہ میرے نوٹ موجود تھے۔ میں نے اپنا قرآن کریم چار حصوں میں جلد کروایا ہوا تھا اور میری عادت تھی کہ میں جب قرآن کریم پڑھتا تو اُس کے حاشیہ پر تشریح کر دیتا۔ جب ہم جابہ میں تفسیر صغیر لکھ رہے تھے تو ایک آیت کی کہیں تشریح نہیں ملتی تھی۔ آخر میں نے کہا کہ میرا قرآن کریم نکالو۔ جب نکالا گیا تو میں نے دیکھا کہ وہاں اُس آیت کی تشریح موجود تھی جس سے وہ تمام آیت حل ہو گئی۔ پس میرے اس قرآن میں یہ سارے حوالے موجود ہیں کیونکہ میری عادت تھی کہ میں کتابیں پڑھتا تو قرآن پر نوٹ لکھ دیا کرتا۔ اس لیے کوئی مشکل نہیں تھی۔ اول تو ممکن ہے میں نے یہ بات کسی خطبہ میں بھی بیان کر دی ہو لیکن خطبوں میں تلاش کرنا تو مشکل ہوتا ہے۔ میرا قرآن کریم ہی دیکھ لیا جاتا تو یہ نوٹ آ جاتا۔ یہ قرآن کریم مولوی یعقوب صاحب کے پاس ہے اور مولوی نور الحق صاحب بھی ان کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ اس قرآن سے یہ سب حوالے دیکھے جا سکتے تھے۔ بہرحال ہمیں ضرورت ہے کہ ہم قرآن کریم کی ایسے مفید طور پر اشاعت کریں کہ دشمن کو اعتراض کا موقع نہ ملے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ غیر احمدی اس کی بڑی تعریف کرتے ہیں مگر اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کو اعتراض نہیں سُوجھتا۔ اعتراض ہم کو سُوجھتا ہے اور جواب بھی ہم ہی دیتے ہیں۔ پس صرف اُن کی تعریف پر ہمیں خوش نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اُن کی تعریف بالکل ایسی ہی ہے جیسے کہتے ہیں کہ کسی گاؤں میں ایک ہاتھی آیا تو لوگ اُس کو دیکھنے کے لیے دوڑ پڑے۔ ایک اندھے نے دوسرے سے کہا کہ تم مجھے بھی ساتھ لے چلو۔ اُس نے کہا تمہیں کیا نظر آئے گا؟ وہ کہنے لگا چاہے مجھے کچھ نظر نہ آئے مجھے لے چلو میں ہاتھ لگا کر ہی دیکھ لوں گا۔ جب واپس آئے تو لوگوں نے آپس میں گفتگو شروع کردی کہ ہاتھی کیسا ہوتا ہے۔ اُس اندھے نے اُن کی باتیں سن کر کہا یہ سب جھوٹ ہے۔ اُس نے ہاتھی کے سونڈ اور ٹانگوں پر ہاتھ لگایا تھا اور پھر پیٹ پر بھی ہاتھ پھیرا تھا۔ وہ کہنے لگا وہ تو ایک موٹی سی چیز ہوتی ہے جو چار ستونوں پر رکھی ہوئی ہوتی ہے اور ایک پانچواں ستون اَور ہوتا ہے جو اُس کے آگے ہوتا ہے۔ یہی حال غیروں کی تعریف کا ہے۔ انہوں نے نہ قرآن کریم پر کبھی غور کیا اور نہ دشمن کے اعتراضات کا انہیں علم ہے۔ پس ہمیں اِس پر خوش نہیں ہونا چاہیے۔ ہمیں اُن کے ہاتھ میں قرآن کریم مکمل صورت میں دینا چاہیے تا انہیں پتا لگے کہ یہ معنے صرف احمدیوں کے ہی نہیں بلکہ ہمارے گزشتہ بزرگ بھی ان معنوں کی تصدیق کرتے رہے ہیں۔

مثال کے طور پر دیکھ لو وفاتِ مسیح کا مسئلہ کیسا واضح ہے لیکن غیر احمدی اب تک ہمارے معنوں کی مخالفت کرتے چلے آرہے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک واضح بات ہے کہ اگر کوئی کہے کہ تَوَفّٰی فُلَانٌ تو اِس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ وہ شخص مر گیا ہے۔ گورنمنٹ کے کاغذات میں بھی لکھا ہوتا ہے کہ یہ فلاں متوفّٰی کا بیٹا ہے اور کوئی نہیں کہتا کہ وہ آسمان پر بیٹھا ہوا ہے۔ پس جن لوگوں نے ساٹھ ستّر سال میں بھی ہمارے ایک لفظ کے معنے کو تسلیم نہیں کیا وہ ایک دن میں ہمارے تمام قرآن کے معنوں کو کب تسلیم کر لیں گے۔ بہرحال تمام قرآن مجید دوسروں سے منوالینا اور اُن کو سمجھا دینا بہت مشکل امر ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ قرآن کریم آسمان پر چلا جائے گا۔ صرف اس کا خط باقی رہ جائے گا[10] اور جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ میں قرآن کریم کے معنے زمین سے اُٹھ جائیں گے اور صرف تحریر باقی رہ جائے گی تو تم کس طرح خیال کرتے ہو کہ تمہارے کیے ہوئے معنے فوراً مان لیے جائیں گے۔ اس کے لیے تو خدا تعالیٰ کی نصرت اور

فضل اور بڑے جہاد کی ضرورت ہے۔اس جہاد کے بعد کہیں وہ معنے قائم ہوں گے۔اگر ایک دن میں قائم ہو جائیں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی جھوٹی نکلتی ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جب قرآن کریم کے مطالب زمین سے اُٹھ جائیں گے۔پس اِن معانی کو قائم کرنے کے لیے بہت بڑے جہاد کی ضرورت ہے۔اِس سے ہزاروں گُنا زیادہ جہاد کی ضرورت ہے جو لفظ توفّی کے لیے کیا گیا۔کیونکہ وہ ایک لفظ تھا اور یہ سارا قرآن ہے جس میں کوئی ستّر ہزار الفاظ ہوں گے۔اگر ایک لفظ پر اتنی لمبی مدت صَرف ہوئی ہے تو سارے قرآن کریم کے لیے تو صدیاں درکار ہوں گی۔لیکن اگر اللہ تعالیٰ کا فضل ہو اور وہ چاہے تو دوسروں کو جلدی بھی سمجھ دے سکتا ہے"۔

(الفضل 25/اپریل 1958ء)

1: الانفال:46

2: الانفال:47

3: وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ (البقرة:14)

4: اَلْبِدَايَة وَالنهاية جلد 8 صفحہ 126 مطبوعہ بیروت 2001ء

5: وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىۡ عَنِّىۡ فَاِنِّىۡ قَرِيۡبٌ ؕ اُجِيۡبُ دَعۡوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلۡيَسۡتَجِيۡبُوۡا لِىۡ وَلۡيُؤۡمِنُوۡا بِىۡ لَعَلَّهُمۡ يَرۡشُدُوۡنَ ﴿۱۸۷﴾ (البقرة:187)

6: الكهف:78

7 تا 9: فقه اللُّغة و سِرُّ العربية جزء 1 صفحه 254، 255 مطبوعه 2002ء

10: مشکوٰۃ (مترجم) کتاب العلم الفصل الثالث جلد 1 صفحہ 73 مطبوعہ لاہور 1993ء